اسلامی قانون تعزیرات

سزاؤں کے بارے میں شریعت کے طرزِ عمل کی حکمت

ڈاکٹر عبدالعزیز عامر

ترجمہ: معروف شاہ شیرازی

(۸)

بعض مخصوص جرائم کے لیے سزا مقرر کر دینے کی حکمت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شریعت نے جن جرائم کے لیے خاص سزائیں مقرر کر دی ہیں اور ان میں کسی قسم کی کمی و بیشی کی اجازت نہیں دی ہے، وہ سب ایسے جرائم ہیں جن کے خطرناک ہونے کے بارے میں نوعِ انسانی کا نقطۂ نظر ہر جگہ اور ہر زمانے میں ایک ہی رہا ہے۔ اگرچہ کسی معاشرے میں بھی انسانوں کو اس وقت تک امن و امان نصیب نہیں ہو سکتا جب تک اس میں عموماً جرائم کا ارتکاب کم سے کم نہ ہو جائے، لیکن خاص طور پر یہ جرائم، جن کے لیے شریعت نے حد مقرر کی ہے، ان سے تو معاشرے کو بالکل پاک کر دینے کی ضرورت ہے تاکہ معاشرہ اطمینان کا سانس لے سکے۔ یہ جرائم معاشرے کی اساس کو ختم کر دیتے ہیں اور ان کے خلاف برسرپیکار ہونا معاشرے کے ان بنیادی عناصر ترکیبی کی حفاظت کے لیے ناگزیر ہے، جن پر پورے معاشرے کی زندگی اور موت کا دار و مدار ہوتا ہے اور جن کے ذریعہ سے اس کی عزت برقرار رہتی ہے۔

یہ مقررہ سزاؤں والے جرائم مختلف نوعیت کے حامل ہیں۔ بعض وہ ہیں جن کے ذریعہ انسانی جان پر دست درازی ہوتی ہے، مثلاً قتلِ عمد۔ اور بعض وہ ہیں جن سے انسان کی عزت پر حملہ کیا جاتا ہے، جیسے زنا اور قذف۔ اور بعض وہ ہیں جو انسان کے مال پر ہاتھ ڈالتے ہیں، جیسے چوری اور رہزنی۔ اور بعض وہ ہیں جن سے عقلِ انسانی کو مضرت پہنچائی جاتی ہے، مثلاً شراب نوشی۔ اور بعض وہ ہیں جو ریاست کے امن و امان اور نظم و نسق کے خلاف اعلانِ جنگ کے ہم معنی ہیں، مثلاً بغاوت۔ اور بعض وہ ہیں جو دراصل دین کے خلاف بغاوت ہیں، جیسے ارتداد۔[1]

[1] حاشیہ ص ۳۵ پر

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے انسانی جان کو، اور خاندانی نظام کو جو دراصل معاشرے کی ترکیب میں اولین بنیادی خلیہ (CELL) کی حیثیت رکھتا ہے، اور انفرادی ملکیت کے تحفظ کو، اور ریاست کے وجود اور اُس نظام کو جس پر ریاست کا وجود قائم ہے، سب سے بڑھ کر اہمیت دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان اساسی اداروں (INSTITUTIONS) کو نقصان پہنچانے والے جرائم کے لیے مخصوص اور نسبتہً سخت سزائیں مقرر کرتی ہے۔ اور اس میں اس قدر سختی برتتی ہے کہ ان کے لیے اس نے سزا کی ایک قطعی حد مقرر کردی ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ ان جرائم کو بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ ان سزاؤں کے نفاذ کے وقت وہ مجرم کے شخصی حالات یا کسی قسم کے دوسرے حالات کا کوئی لحاظ نہیں کرتی تاکہ ان جرائم کی روک تھام اور ان کا قلع قمع بحُسن و خوبی ہو سکے اور لوگ ان کے ارتکاب سے باز آجائیں۔

عام جرائم میں سزا مقرر نہ کرنے کی حکمت شارع نے مذکورۂ بالا چند اہم جرائم کی سزا مقرر کرنے کے بعد باقی تمام دوسرے جرائم کے لیے کوئی سزا مقرر نہیں کی۔ یہ اُن اہم اسباب میں سے ہے جن کی بدولت اسلامی نظامِ قانون تمام ادوار کے لیے زندہ اور قابلِ عمل رہتا ہے اور ہر دَور میں اُس دَور کی ضروریات اور عوام الناس کے حالات کے مطابق جرائم کے لیے تعزیری سزائیں تجویز کرنے اور ان میں کمی و بیشی کرنے کا دروازہ اولی الامر کے لیے کُھلا رہتا ہے۔ کیونکہ اگر تمام جرائم کے لیے ایک دَور میں سزائیں مقرر کردی جاتیں تو وہ دوسرے دَور کے لیے وہ موزوں نہ ہوتیں۔ پس لوگوں کی بھلائی اسی میں تھی کہ بعض اہم جرائم کے سوا باقی تمام جرائم کے لیے تعزیرات تجویز کرنے کا کام ہر دَور کے اولی الامر پر چھوڑ دیا جاتا تاکہ وہ اپنے زمانے اور معاشرے کے حالات کے لحاظ سے قانون سازی کرتے رہیں۔ اس طرح شریعت زمانے کے ساتھ ساتھ چلتی رہتی ہے، اور اپنی خصوصیات کو برقرار رکھتے ہوئے ہر دَور کی قانونی ضروریات پُوری کرتی چلی جاتی ہے۔

قصاص کو حقِ فرد قرار دینے کی وجہ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شریعت نے قصاص کو افراد کا حق کیوں قرار

ؔ دین کے خلاف بغاوت یعنی ارتداد اور ریاست کے خلاف بغاوت کی نوعیت اسلامی نظام میں ایک ہی ہے۔ اسلام میں دین و سیاست کی دُوئی نہیں ہے۔ کوئی شخص خواہ اسلامی ریاست کی رعیت ہو جانے کے بعد اس کی اطاعت سے منحرف ہو جائے، یا اسلام قبول کرنے کے بعد اس سے پھر جائے، دونوں صورتوں میں وہ درحقیقت بغاوت کا مرتکب ہے۔
(مترجم)

دیا ہے اور افراد کو یہ اختیار کیوں دیا ہے کہ اگر وہ چاہیں تو قصاص کو معاف کر دیں؟ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ قتلِ عمد اور وہ دوسرے جرائم جن میں قصاص واجب ہوتا ہے، دو قسم کی زیادتیوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ایک زیادتی تو براہِ راست اس شخص پر ہوتی ہے جسے قتل کیا جاتا ہے یا جس کو کوئی ایسا جسمانی نقصان پہنچایا جاتا ہے جو موجبِ قصاص ہے۔ دوسری زیادتی معاشرے پر ہوتی ہے جس کی سلامتی اس پر منحصر ہے کہ اس میں لوگوں کی جانیں اور ان کے نفوس محفوظ رہیں اور اس کے اندر لوگ ایک دوسرے پر دست درازی نہ کریں۔ مگر ان دونوں اقسام کی زیادتیوں میں سے وہ زیادتی جو شخصِ مظلوم پر ہوتی ہے، اس زیادتی کی بہ نسبت زیادہ سخت ہے جو معاشرے پر ہوتی ہے۔ کیونکہ قتل اور دوسری جسمانی مضرتیں جن پر قصاص واجب ہوتا ہے، کسی وجہ سے ہوتی ہیں، مثلاً فریقین کے درمیان عداوت، یا کوئی جھگڑا جو فریقین کے درمیان ہو۔ اور یہ وجہ خاص ہے نہ کہ عام، یعنی اس میں مضرت کا اصل نشانہ شخص متضرر ہی ہوتا ہے۔ مجرم کا اصل مقصد معاشرے کو نہیں بلکہ اس شخص کو نقصان پہنچانا ہوتا ہے۔ اگر اس شخص پر وہ قابو پا جائے تو اسی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے لیکن اگر اس پر وہ قابو نہیں پا سکتا تو اسے چھوڑ کر کسی اور پر ہاتھ نہیں ڈالتا۔ اس لیے ایسے تمام جرائم میں نقصان کا تعلق براہِ راست شخصِ متضرر ہی سے ہوتا ہے۔

حدود کے جرائم اور قصاص کے جرائم کی نوعیت کا فرق | اِس قسم کے قتل سے اُس قتل کی نوعیت بالکل مختلف ہے جو کسی دوسرے جرم کے ضمن میں ہو، مثلاً وہ قتل جو رہزنی کے سلسلے میں ہوتا ہے۔ اس میں مجرم کی اصل غرض حصولِ دولت ہوتی ہے، اس لیے رہزنوں اور ڈاکوؤں کا ضرر عام ہے نہ کہ خاص۔ کیونکہ اس کا تعلق مال و دولت سے ہوتا ہے جو بقدرِ استطاعت، ہر شخص کے پاس ہوتی ہے۔ ڈاکو اور رہزن کا اصل مقصد کسی خاص شخص کو مارنا یا کسی خاص مال کو لینا نہیں ہوتا، بلکہ وہ بس مال لینا چاہتا ہے جس کے پاس بھی وہ ہو اور ہر اُس شخص کو مارتا ہے جسے مارے بغیر وہ مال نہ لے سکے۔

یہی معاملہ سرقہ کا بھی ہے۔ چور کا مقصود بھی صرف مال ہوتا ہے۔ اگر ایک کے پاس نہیں پاتا تو دوسرے کے مال پر ہاتھ ڈالتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جب وہ چوری کا ارتکاب کرتا ہے تو اس سے نقصان صرف اسی شخص کو پہنچتا ہے جس کا مال اس نے چرایا ہے، لیکن اوّل تو یہ نقصان صرف اس مال تک محدود نہیں ہوتا جو

چرا لیا گیا، بلکہ صاحب مال کو باقی کی فکر بھی دامنگیر ہو جاتی ہے اور اسے خوف ہوتا ہے کہ جو کچھ رہ گیا ہے وہ بھی چرا لیا جائے گا۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں میں بھی اپنے اموال کے بارے میں خوف پھیل جاتا ہے کہ ان کے ہاں بھی چوریاں ہونگی۔ اس بنا پر چوری کی مضرّت ایک عام نوعیت کی مضرّت ہے۔

اسی طرح زنا کی مضرّت بھی درحقیقت عام نوعیت ہی کی ہے۔ اگر ایک زانی کا مقصد کسی خاص عورت سے زنا کرنا ہی ہو، پھر بھی یہ خطرہ لازماً پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر وہ اس عورت کو نہ پا سکا تو اپنی اس مجرمانہ خواہش کو پورا کرنے کے لیے کسی اور کو شکار کرنے کی فکر کرے گا۔ اس بنا پر خواہ کسی خاص فعلِ زنا کا ضرر براہِ راست ایک خاص شخص ہی کو پہنچا ہو، پھر بھی بجائے خود زنا کا ضرر عام نوعیت کا ہے کیونکہ دوسرے اشخاص بھی اس کی زد میں آ سکتے ہیں۔ اس بحث سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حدود کے جرائم اور قصاص کے جرائم کی نوعیت میں کیا فرق ہے۔ حدود کے جرائم میں اگرچہ فعلِ جرم کا وقوع افراد ہی پر ہوتا ہے اور ان کا شخصی نقصان بھی ہوتا ہے، لیکن اس کا ضرر براہِ راست پورے معاشرے تک پہنچتا ہے۔ اور اس سے معاشرے کو جو ضرر پہنچتا ہے اس کے عواقب اُس ضرر سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں جو کسی خاص شخص کو پہنچتا ہے۔ اس لیے شریعت نے حدود کے جرائم میں سزا دینے کا حق معاشرے کو دیا ہے اور اس میں افراد کو شریک نہیں کیا ہے۔ بخلاف اس کے قصاص کے جرائم میں چونکہ معاشرے کی بہ نسبت اشخاص کے ضرر کا تعلق زیادہ ہوتا ہے اس لیے اسلامی قانون نے قصاص کو ان افراد کا حق قرار دیا جن پر زیادتی کی گئی ہو اور افراد ہی کے لیے عفو، صلح اور درگذر کو بھی جائز قرار دیا۔ مقصد یہ ہے کہ جو لوگ براہِ راست مضرّت کے شکار ہوئے ہیں ان کی طرف سے بدلہ لیا جائے تاکہ اُن کے رنج کی تلافی ہو، اور اگر کسی وجہ سے وہ انتقام کے بجائے عفو و درگزر کو مناسب سمجھیں تو انہیں اس کا بھی موقع دیا جائے، کیونکہ وہی براہِ راست مضرّت کے شکار ہوئے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ اگر وہ خود کسی سبب یا مصلحت سے قصاص و انتقام کی نسبت عفو و درگزر کو ترجیح دیتے ہیں تو ضروری ہے کہ شارع اُن کے اس حق کو تسلیم کرے۔

قصاص کی معافی کی صورت میں بھی تعزیر کا دروازہ کیوں کھلا رکھا گیا ہے؟

تاہم، جیسا کہ ہم اس سے پہلے وضاحت کر چکے ہیں، اگر عفو و درگذر یا مصالحت کی وجہ سے مجرم قصاص سے بچ نکلتا ہے تو لازمی طور پر اس کے معنی یہ نہیں

ہیں کہ وہ ہر قسم کی سزا سے بچ گیا ہے۔ کیونکہ قصاص کے جرائم میں بھی، اگر براہِ راست نہیں تو بالواسطہ پورے معاشرے کو مضرت پہنچتی ہے، اس لیے معاشرے کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اسے قصاص کے سوا کوئی اور سزا دے۔ تعزیر کا میدان بہت وسیع ہے، اور حاکمِ وقت یہ اختیار رکھتا ہے کہ وہ مجرم کو ایسی سزا دے جو آئندہ اس کو بھی مزید ارتکابِ جرائم سے باز رکھے اور دوسرے لوگوں کو بھی ایسے اقدامات سے روکے۔ پس صاحبِ حق کے عفو کی بنا پر قصاص کے ساقط ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مجرم کو کسی قسم کی سزا بھی نہ دی جائے۔ بلکہ اس عفو اور سقوط کے باوجود اسے اس کے مناسبِ حال سزا دی جا سکتی ہے بشرطیکہ اس میں مصلحت ہو۔

جرائم اور سزاؤں کی تقسیم کے بارے میں ہماری رائے اس سے پہلے یہ بتایا جا چکا ہے کہ فقہاء نے حدود کی تعریف یہ کی ہے کہ "وہ ایسی مقرر سزائیں ہیں جو بطورِ حق اللہ (PUBLIC RIGHT) واجب ہیں"۔ اور یہ کہ "قصاص وہ سزا ہے جو بطورِ حق فرد (PRIVATE RIGHT) واجب ہے"۔ اور یہ کہ "تعزیر ایک غیر متعین سزا ہے جو کبھی بطورِ حق اللہ اور کبھی بطورِ حق فرد واجب ہوتی ہے"۔ ان تینوں قسم کی سزاؤں میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ قانون میں یہ سزائیں رکھنے سے شارع کا مقصود لوگوں کو ارتکابِ جرائم سے روکنا اور ملک کو شر و فساد سے بچانا ہے۔ تعزیر اور حد میں فرق یہ ہے کہ تعزیر میں کوئی سزا پہلے سے مقرر نہیں ہوتی اور حد میں متعین ہوتی ہے۔ نیز یہ کہ تعزیر بطورِ حق فرد بھی ہو سکتی ہے، اور بطورِ حق اللہ بھی، لیکن حد صرف بطورِ حق اللہ واجب ہوتی ہے۔ تعزیر اور قصاص میں فرق یہ ہے کہ تعزیر غیر معین سزا ہے اور قصاص معین ہے اور تعزیر کبھی بطورِ حقِ فرد اور کبھی بطورِ حق اللہ واجب ہوتی ہے لیکن قصاص صرف بطورِ حق فرد واجب ہوتا ہے۔ قصاص اور حد میں فرق یہ ہے کہ قصاص صرف بطورِ حق فرد واجب ہے اور حد صرف بطورِ حق اللہ واجب ہوتی ہے۔ مگر سزا دونوں میں ابتدا ہی سے من جانب شارع مقرر ہے۔

قصاص کی سزا کو حد بھی کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ دوسری حدود کی طرح اس سزا کو بھی شارع نے مقرر کر دیا ہے۔ لفظ "حد" اپنے وسیع مفہوم میں ان تمام حرمتوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے قائم فرمائی ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا (یہ اللہ کی قائم کی ہوئی حدیں ہیں لہٰذا ان کے

قریب مت جاؤ)۔ ایک دوسری جگہ قانونِ میراث اور قوانینِ ازدواج پر بھی حد کا اطلاق ہُوا ہے۔ مثلاً تِلْكَ حُدُودُ اللهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا (یہ اللہ کی حدیں ہیں لہٰذا ان سے آگے نہ بڑھو)۔ غرض شارع نے جس چیز کو مقرر کیا ہے وہ حد ہے[۱]۔

صرف مقررہ سزاؤں والے جرائم کو حد کہنا اور قصاص کو اس سے خارج کرنا محض فقہاء کی اصطلاح ہے ورنہ اس لحاظ سے قصاص اور حُدود میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ بھی ایک مقرر سزا ہے۔ جو ارتکابِ جرائم سے باز رکھتی ہے۔ رہی یہ بات کہ قصاص بطورِ حقِ فرد واجب ہوتا ہے، تو اس سے لازم نہیں آتا کہ اس کو حد نہ کہا جائے اور اس کو حدود سے الگ ایک مخصوص نام دے دیا جائے، کیونکہ سزا کو "حد" کے نام سے موسوم کرنے اور اس کے بطورِ حق اللہ یا بطورِ حق فرد واجب ہونے کے درمیان کوئی تعلق نہیں ہے۔ جن وجوہ سے حد کو حد کہا جاتا ہے وہ سب وجوہ قصاص میں بھی پائے جاتے ہیں جو حد ہی کی طرح شارع کی جانب سے مقرر سزا ہے اور جرائم سے باز رکھتا ہے۔

میری اس رائے کی تائید ابویعلیٰ اور الماوردی دونوں کی احکام السلطانیہ سے بھی ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جرائم وہ شرعی ممنوعات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو حد یا تعزیر کے ذریعہ سے روکا ہے۔ ان کے معاملہ میں حدود کو دو اقسام پر تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک وہ جو بطور حق اللہ واجب ہوں اور دوسرے وہ جو بطور حقِ فرد واجب ہوں۔ پھر جو بطور حق اللہ واجب ہیں ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو کسی فرض کے ترک پر لازم آئیں۔ دوسری وہ جو کسی ممنوع کے ارتکاب پر لازم آئیں۔ اوّل کی مثال نماز، روزہ اور زکوٰۃ کا ترک کرنا ہے اور جو ارتکابِ ممنوع کی وجہ سے لازم آتی ہیں ان کی پھر دو قسمیں ہیں۔ جن ممنوع افعال پر حد بطورِ حق اللہ واجب ہوتی ہے، وہ چار ہیں: زنا، شراب نوشی، چوری، اور محاربہ۔ اور جن ممنوعات پر حد بطور حق فرد واجب ہوتی ہے وہ دو ہیں؛ قذف، اور انسانی جان پر دست درازی۔

اس تقسیم کی رُو سے قصاص (جو جسمانی ضرر رسانی کا بدلہ ہے) حدود میں شامل ہے، اور اس اعتبار سے

---

[۱] شرح المنتہیٰ الشیخ منصور بن یونس البہوتی الحنبلی، یہ کتاب کشف القناع عن متن الاقناع کے حاشیے پر چھپی ہے ج ۴ ص ۶۵۔ السیاسۃ الشرعیہ، ابن تیمیہ ص ۵۵، ۵۶۔

سزائیں تین کے بجائے دو ہی قسم کی قرار پاتی ہیں : یعنی حدود اور تعزیرات - اور جرائم کی بھی بس دو ہی قسمیں ہیں ، حدود کے جرائم اور تعزیرات کے جرائم -

امام ابن تیمیہ نے السیاستہ الشرعیہ میں بیان کیا ہے کہ اگر تعزیر بطور حق اللہ واجب ہو تو بعض لوگ اس پر بھی حد کا اطلاق کرتے ہیں ، اور اس بنا پر وہ مشہور حدیث ، لا یجلد فوق عشرۃ اسواط ، الا فی حد من حدود اللہ (دس کوڑوں سے زیادہ سزا صرف اللہ کے حدود ہی میں دی جا سکتی ہے) کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ یہاں حدود اللہ سے مراد وہ سزائیں ہیں جو بطور حق اللہ واجب ہوں - رہی وہ سزا جو کوئی شخص اپنے پرائیویٹ حق کی بنا پر کسی کو دیتا ہے تو وہ دس کوڑوں سے زیادہ نہیں ہو سکتی ، مثلاً اگر کوئی اپنی بیوی کو نشوز کی وجہ سے سزا دیتا ہے تو وہ دس کوڑوں سے زیادہ نہیں مار سکتا - ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ تعزیری سزا کو حد کہنا ایک نئی اصطلاح ہے[1] -

خلاصہ بحث لفظ حد کے اس توسیعی مفہوم کا تقاضا یہ ہے کہ ہم جرائم کی تقسیم کے لیے کوئی زیادہ دقیق ضابطہ اختیار کریں - میں سمجھتا ہوں کہ ہم قصاص و حدود دونوں کو مقررہ (PRESCRIBED) سزائیں کہہ سکتے ہیں - اگرچہ ان میں سے بعض بطور حق اللہ واجب ہوتی ہیں اور بعض بطور حق فرد ، لیکن اس سے ان سزاؤں کی نوعیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ، کیونکہ دونوں ہی پہلے سے شارع کی مقرر کردہ سزائیں ہیں - البتہ تعزیر کی نوعیت بالکل مختلف ہے - اس میں سزا شارع کی طرف سے ، پہلے سے ، متعین نہیں ہوتی خواہ بطور حق اللہ واجب ہو یا بطور حق فرد - لہٰذا ہم تعزیر کو غیر متعین سزا (UNPRESCRIBED PUNISHMENT) کہہ سکتے ہیں - اس طرح سزاؤں کی دو ہی قسمیں بنتی ہیں ، متعین سزا اور غیر متعین سزا - یہ تقسیم سزا کے تعین اور عدم تعین پر مبنی ہے ، اور یہ ایک ایسی بنیاد ہے جو بالکل ظاہر ، واضح اور متفق علیہ ہے - فقہائے جن بنیادوں پر دوسری تقسیمات کی ہیں ان میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو اس تقسیم کے لیے مانع ہو - بات صرف اصطلاحات کی ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ہماری تقسیم بعینہٖ فقہائے کی تقسیم کی طرح ہو ، ان کے خلاف بھی ہو سکتی ہے -

---

[1] السیاستہ الشرعیہ ، ابن تیمیہ ص ۵۵ ، ۵۶